تحریک نسواں ۔ ایک مطالعہ

سلیم منصور خالد

WOMEN IN FEMINISM AND POLITICS: New Directions Towards Islamization.

ڈاکٹر زینت کوثر ۔ وومنز افیرز سیکریٹریٹ ' انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی ' ملائیشیا۔ پوسٹ بک نمبر ۷۰ ' جالان سلطان (۱۹۹۵)۔ صفحات : ۱۱۹۔

عورت کو بحیثیت عورت اس صدی کا دلچسپ موضوع بنادیا گیا ہے ' جب کہ "عورت اسلام میں" عصر حاضر کا وہ موضوع ہے ' جسے اسلام سے بغض و عناد رکھنے والے تمام عناصر بڑی مرغوبیت سے اپنی نشانہ بازی کے لیے چنتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ مقامی رسم و رواج کے بندھنوں میں جکڑی اور اسلام کے چشمہ صافی سے دور کردہ مسلمان عورت کے لیے عام طور پر ہمارا مذہبی طبقہ آگے نہ بڑھا ' اور اگر بڑھا بھی تو دو رویے سامنے آئے: غیر حکیمانہ انداز یا اپنے خلاف گواہی ۔ یوں اسلام دشمن قوتوں نے سمجھ لیا کہ "عورت اور اسلام" واقعی مسلمانوں کا کمزور ترین محاذ ہے ۔ اس طرح اسلام پر براہ راست حملے کے بجائے پچاس فیصد مسلم آبادی یعنی عورت کی ہمدردی جیتنے اور اسے اسلام سے بے زاری کا سبق دینے کے لیے ایک "سرد جنگ" کا آغاز کیا گیا ہے ۔ آج اسلام پر فکری اور ابلاغی حملے کا ایک ہدف "مسلمان عورت" ہے ۔

اسلام میں عورت کی پوزیشن کی وضاحت کے لیے مسلمان اہل علم حضرات میں سے مولانا ابوالکلام آزاد ' علامہ اقبال ' سید ابوالاعلیٰ مودودی ' سید جلال الدین عمری وغیرہ نے گراں قدر تحریریں مہیا کیں ۔ مگر مسلمان دانش ور خواتین کی جانب سے اس محاذ پر راست فکری کے ساتھ کمک پہنچانے کا سلسلہ بہت کمزور رہا ۔ اب یہ کمی دور ہو رہی ہے جس کی قابل ذکر مثال زیر تبصرہ کتاب کی فاضل مصنفہ ڈاکٹر زینت کوثر ہیں ۔ یہ فکر و نظر میں اسلامی روح سے سرشار اور تحقیق و تالیف میں جدید ترین اسالیب سے باخبر ہیں ۔ عثمانیہ یونی ورسٹی ' حیدر آباد سے گریجوایشن اور علی گڑھ یونی ورسٹی سے سیاسیات میں ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد ان دنوں انٹرنیشنل اسلامی یونی ورسٹی ' ملائیشیا میں شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں ۔

اگر چہ ان کی سپشلائزیشن علم سیاسیات میں ہے، تاہم ذاتی شوق و جستجو سے انھوں نے اسلامی علوم میں درک حاصل کیا ہے، جس کا ثبوت مصنفہ کی مختلف کتب اور تحقیقی مقالے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں FEMINIST تحریک اور سیاسیات کا اسلام سے تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مغرب کے سیاسی تصورات کا اسلامی فکر کی روشنی میں تجزیہ (ص ا-۲۵) کرتے ہوئے مصنفہ نے: افلاطون، ارسطو، سینٹ آگسٹائن، سینٹ ٹامس اکویناس، ہابس، لاک، روسو، ہیگل، مارکس اور مائیکل فوکالٹ کے نظریات سے مصرعہ اٹھایا ہے۔ ان فلاسفہ کے افکار کو پیش کر کے، متقدمین اور معاصر مغربی فلسفیوں کی سوچ سے تقابل کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ: "کلاسیکی مغربی مفکرین کے نزدیک عورت، جذباتی، کمزور اور دانش و خوبی سے تہی دامن ہے، جب کہ ارسطو عورت کو مرد سے ہر اعتبار سے کم تر قرار دیتا ہے کہ فطرت نے اسے فہم اور استدلال کی دولت سے خالی بنایا ہے" (ص ۱۹) قرون وسطیٰ کی دانش افرنگ کے مطابق: عورت ہی مرد کے زوال اور ذلت کا باعث ہے -------- سولہویں، سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے مغربی سیاسی افکار، عورت کو کوئی باوقار مقام دینے سے گریزاں ہیں -------- اسی طرح جدید مغربی سیاسی تصورات میں ہیگل، عورت کو نامکمل اور کمزور فرد کہتے ہوئے، اسے کسی حکومتی منصب کے لیے اہل نہیں مانتا (ص ۱۹) البتہ جدید مغربی مفکرین میں فوکالٹ نے عورت کی کمزوری کے نظریے کو تسلیم نہیں کیا گویا کہ مغرب کی سیاسی فکر، جس میں کلاسیکی، قرون وسطیٰ، جدید حتیٰ کہ مابعد جدید زمانے کے افکار کا مجموعی نتیجہ ہے، عوامی زندگی خصوصاً سیاسی کش مکش میں عورت فکری، جذباتی، جسمانی اور ہر نوعیت کی قوت و صلاحیت کے اعتبار سے کمزور اور کم تر مخلوق ہے" (ص ۲۴)۔

اس کے برعکس اسلام نے خلیفتہ اللہ کا تصور پیش کر کے مرد و عورت کی تفریق کو ختم کیا اور انسان کو اس اعلیٰ مقام کا حق دار ٹھہرایا۔ اسلام نے عورت کی جسمانی کمزوری کو تسلیم کیا ہے، مگر اس بنا پر عورت کو شرمندگی کا باعث یا مرد پر خوامخواہ کا بوجھ قرار نہیں دیا۔ زیادہ مشقت طلب کام مرد کو اور کم مشقت طلب کام عورت کو تفویض کیے ہیں" (ص ۲۰) پھر "اسلام نے عورت کو گناہ کی پوٹ اور مرد کے مصائب و زوال کا باعث بھی نہیں گردانا، بلکہ یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو ایک جنس سے پیدا کیا ہے۔ اس فرمان الٰہی نے عورت کو مرد کے جسم سے پیدا کرنے کے روایتی مذہبی تصورات کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے" (ایضاً) اس پر مستزاد یہ کہ "اسلام نے مرد ہی کو عورت اور بچوں کی معاشی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا پابند ٹھہرایا ہے" (ص ۲۱) اور اس کے بالمقابل "مغرب میں عورت معاشی ذمہ داریوں کے بوجھ کی کفالت کے لیے مرد کو ذمہ داری سونپنے کی قانون ساز تحریکیں چلا رہی ہے" (ص ۲۰) "عورت خاندانی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دیگر

حوالوں سے معاشرے کی اعانت کرنے کے لیے اگر اپنے آپ کو آمادہ اور فارغ پاتی ہے تو اسلام نے اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی 'مگر یہ معاملات مرد' عورت اور بچوں کی قیمت پر نہیں' بلکہ ان کے فایدے اور باہم مشاورت سے طے ہونے چاہییں۔ اگر یہ امور باہم مشاورت سے انجام پائیں 'تو گھر کا کام اور پیشہ ورانہ ذمہ داریاں" یا "دوہری ذمہ داریاں اور دوہری تنخواہ" جیسی غیر صحت مند بحث پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ یوں عورت اگر گھر سے باہر کی ذمہ داریوں میں مرد کی اعانت کے لیے وقت نکالتی ہے 'تو اخلاقی طور پر مرد بھی اس امر کا پابند ہے کہ وہ گھریلو نظم و نسق اور جملہ امور خانہ میں بیوی کا ہاتھ بٹائے اور اس سے بھرپور تعاون کرے" (ص ۲۳ اور ۱۰۹) "کیونکہ اسلام عورت کو گھر اور گھر سے باہر باوقار اور متوازن مقام عطا کرتا ہے" (ص ۲۴) اسلامی تعلیمات کے مطابق "بیوی بننے کا مطلب غلامی نہیں ہے' بلکہ مرد کو بیوی اور بچوں کے ساتھ بہترین حسن سلوک کا پابند ٹھہرایا گیا ہے" (ص ۱۷)

فیمی نسٹ موومنٹ یا feminism کے لیے عام طور پر حریت نسواں یا آزادی نسواں کی تحریک کی اصطلاحیں معروف ہیں۔ اس ترجمے میں چونکہ خود بخود یہ مفہوم آجاتا ہے کہ عورت واقعی کسی سامراج کے ہاتھوں قید ہے' اس لیے اسے "آزادی" اور "حریت" کی ضرورت ہے۔ حالانکہ جب اس تحریک نسواں کی بانی اور لیڈر خواتین کے افکار کا جائزہ لیں تو بات دوسری سامنے آتی ہے۔ اس لیے تبصرہ نگار "فیمی نسٹ موومنٹ" کا ترجمہ "تحریک آوارگی نسواں" یا "تحریک قتل ممتا" کرنا ہی قرین انصاف سمجھتا ہے۔ اس ضمن میں زیر مطالعہ کتاب کا دوسرا باب ثبوت کے لیے کافی ہے جس میں بڑی عرق ریزی سے "فیمی نسٹ موومنٹ" کے آغاز' مراحل اور افکار کو اختصار و جامعیت سے پیش کیا گیا ہے۔ لبرل' مارکسی' جدید مارکسی' سوشلسٹ' قدیم سوشلسٹ' جدید سوشلسٹ' وجودی اور انقلابی فیمی نسٹ تحریکوں کی مفکر خواتین کی کتب سے ان کے خیالات من و عن پیش کیے گئے ہیں۔ بعد ازاں اسی ترتیب سے ان افکار کو مکاتب فکر کی تقسیم کے ساتھ مختصراً بھی قلم بند کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:
عورت کو شادی بطور پیشہ اختیار کرنی چاہیے' یا پھر گھر سے باہر پیشہ منتخب کرنا چاہیے (ص ۴۵) اگر مرد اور عورت ناخواندہ ہیں اور ایک دوسرے کو اچھی طرح نہیں جانتے تو شادی بے دام عصمت فروشی ہے (ص ۴۵) عورت کی تاریخی شکست اس وقت ہوئی جب معاشی قوت پر مرد حاوی ہوگیا' اور قدر زائد کے طور پر طاقت مرد کو منتقل ہوگئی (ص ۴۶) شادی زندگی بھر کی بہت بڑی سودے بازی ہے' جو اپنی اصل میں طوائفیت ہے (ص ۴۶) "مانع حمل ٹکنالوجی اور اس نوعیت کی ادویات ہی عورت کو محکومی کی اتھاہ سے نکال کر خود مختاری کی شاہراہ پر گامزن کر سکتی ہیں ------ شادی تو عورت کی آزادی کو کچلتی اور زندگی کو بے مقصدیت کے گھاٹ اتار دیتی ہے ------ زوجیت اور ممتا' عورت

کی ذاتی نشوونما کو فنا کر کے رکھ دیتی ہیں ------ ایسے حیاتیاتی انقلاب کی اشد ضرورت ہے ' جو خاندان اور توالد و تناسل کے موجودہ چلن کا خاتمہ کر دے'' ص (۴۶) ''عورت کے لیے حمل بربریت ہے اور ماں بننا تمام برائیوں کی جڑ ہے'' (ص ۴۸) وغیرہ وغیرہ۔ ''تحریک آوارگی نسواں'' کی علم بردار خواتین کے یہ افکار وہ انتہا ہیں ' جن پر وہ رفتہ رفتہ انسانیت کو لے جانا چاہتی ہیں۔

مصنفہ نے ان تمام افکار کے بالمقابل اسلامی نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے (ص ۴۸ - ۶۶) عالمانہ شان کے ساتھ ایک ایک مغالطے اور ٹھوکر کا جائزہ لیا ہے۔ پھر قرآن ' سنت ' اسلامی افکار اور معاصر اسلامی مفکرین کی آرا کی روشنی میں ان سب نکات کا شافی تجزیہ کیا ہے۔ اس باب میں چند ایک پہلو سے تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر تحریک نسواں کے جن قبیلوں کو پیش کیا گیا' ان میں اگر مسلم دنیا میں تحریک نسواں کی چیمپئن خواتین کے افکار کو بھی پیش کر دیا جاتا تو موزوں ہوتا' یوں ''صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں'' کے مصداق ان خواتین کے خیالات سے آگاہی حاصل ہوتی۔ مصر' انڈونیشیا' بنگلہ دیش' ایران اور پاکستان میں اس سوچ کی حامل خواتین اور ان کی قیادت میں چلنے والی تحریکیں موجود ہیں۔

اسلام میں عورت کے سیاسی کردار' خصوصاً عورت اور ریاستی قیادت کے مسئلے پر بحث بڑی زور دار ہے۔ کلاسیکی اسلامی مفکرین اور ماہرین قانون کے ہاں اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ ''خلافت یا حکومت اور ریاست کی سربراہی کا سزاوار مرد ہے'' (ص ۵۴) مثال کے طور پر الماوردی نے خلیفہ کی اہلیت کے لیے جو سات بنیادی شرائط متعین کی ہیں ان میں جسمانی اعتبار سے مضبوطی' بہادری اور حوصلہ مند ہونا قرار دیا ہے' جو میدان جہاد میں بھی قیادت کر سکے (ص ۵۴) اسی طرح ابن خلدون نے خلیفہ کے لیے جو پانچ اہم شرائط مقرر کی ہیں' ان میں ''پہلی شرط اجتہاد کی صلاحیت ہے' تاکہ خلیفتہ المسلمین علمی اعتبار سے دوسروں کا مرہون منت نہ ہو اور عزم و ہمت سے اقدام کر سکے۔ ان کے ہاں تیسری اور چوتھی صلاحیت جسمانی اعتبار سے مضبوطی اور شریعت کے نفاذ کے لیے جرات مندی ہے' مزید یہ کہ وہ بہادری سے میدان جہاد کی جملہ ذمہ داریاں ادا کر سکے'' (ص ۵۴) وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت سونپنے سے استنباط کرتے ہوئے ابن خلدون نے یہ متعین کیا ہے کہ ''خلیفہ میں امامت کی صلاحیت ہونی چاہیے' اور امامت کے لیے سب سے پہلا قدم نماز کی امامت ہے'' (ص ۵۴) ''نماز اور جمعہ کی امامت خلیفتہ المسلمین کے لیے مخصوص کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عورت پر ریاستی قیادت کا بار نہیں آتا'' (ص ۵۵) لیکن عورت کا نماز کی امامت نہ کرا سکنا اس کی کمزوری کی دلیل نہیں' بلکہ اس کی فطری اور حیاتیاتی مجبوری کا پاس و لحاظ ہے'' (ص ۵۸) عورت کے جسمانی اور جذباتی حوالوں سے بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ'

سید ابوالاعلیٰ مودودی، حسن ترابی، اور جمال بدوی وغیرہ کی آرا کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "مرد اور عورت اگر دونوں میں اسلامی تصور قیادت کی خوبیاں موجود ہوں تو پھر بھی قیادت کا فطری جھکاؤ مرد کی جانب ہوگا" (ص ۵۸) مگر "عورت کی دانش و حکمت، معاملہ فہمی اور دور اندیشی سے امت اسلامیہ نے دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلافت راشدہ تک بھرپور استفادہ کیا ہے، اور انھیں قابل احترام مقام عطا کیا ہے" (ص ۵۹) مرد اور عورت کے درمیان امتیاز کے مسئلے پر بحث کے دوران یہ بتایا گیا ہے کہ "مرد اور عورت میں "مساوات" کو "تشخص" کے حوالے سے کنفیوز کر دیا جاتا ہے۔ اسلام صنفین کے تشخص کو مٹانے کا مخالف لیکن بحیثیت انسان ان کے مابین مساوات کا حامی ہے" (ص ۶۴)

"قومی قیادت اور سیاست میں عورت کے کردار" کے زیر عنوان (ص ۶۷-۸۹) چار لیڈر خواتین کا تذکرہ کیا ہے۔ اس باب میں مہارت اور ژرف نگاہی سے ان کے بچپن، عائلی زندگی، سیاسی جدوجہد اور پھر تحریک نسواں کے بارے میں ان کے افکار پیش کیے ہیں۔ ان خواتین میں فلپائین کی صدر کورازن اکینو، نکاراگوا کی صدر وائیلیتاشامورو، اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر اور برطانوی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر شامل ہیں۔ مذکورہ چاروں رہنما خواتین نے گھرداری کی ذمہ داریوں کا احترام، اور تحریک نسواں کے افکار اور ان کے حقیقی نعروں یعنی ممتا سے بیزاری، گھرداری سے اکتاہٹ اور مرد سے نفرت وغیرہ سے کامل بیزاری کا، اعلان کیا ہے۔ (ص ۸۹) یہ بڑا دلچسپ اور سبق آموز باب ہے۔ اچھا ہوگا اگر مسلم دنیا کی وزرائے اعظم میں سے بھی کسی ایک کو اس پینل میں شامل کر لیا جائے۔ پاکستان، بنگلہ دیش، اور ترکی کے بعد اب انڈونیشیا میں بھی نسوانی قیادت کے خدوخال نکھر رہے ہیں۔

کتاب کا آخری باب "روایتی اور مغربی ماڈل میں عورت اور خاندان دوراہے پر، اسلامی لائحہ عمل کی ضرورت" (ص ۹۱-۱۱۲) اس میں مسلمان معاشروں کی عورت کے حوالے سے بے عملی، جہالت اور مقامی رسم و رواج کی اسیری کے باعث جڑ پکڑنے والے امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ لائحہ عمل دیتے ہوئے بتایا گیا ہے: "خردمندی کو رواج دیا جائے" (ص ۹۱) "جاہلانہ تصورات سے آزادی حاصل کی جائے۔ اس مقصد کے لیے تعلیم، علوم کی اسلامائیزیشن، امور خواتین کے مراکز مطالعہ کی تشکیل، فکر و دانش کی اسلامی تعمیر" (ص ۹۲-۹۸) "خاندان کی فاضلانہ تعلیم و تربیت" (ص ۹۸-۹۹) "گھریلو امور میں اسلام سے رہنمائی" (ص ۹۹) اقدام و عمل میں مشترک سوچ کی ضرورت" (ص ۱۰۰)۔ سیکولرائزیشن کی پیدا کردہ الجھنوں کا حل بیان کرتے ہوئے "گھریلو کام" کی نئی تعبیر کا اہم سوال اٹھایا ہے (ص ۱۰۲-۱۰۷) "خواب گاہ سے باورچی خانے تک کے تمام امور کو اسلامی اخوت، ہمدردی اور ذمہ داری سے طے کیا اور انجام دیا جائے" (ص ۱۰۸-۱۰۹) پھر "گھروں

میں برپا ہونے والی "سرد جنگ" سے بچاؤ' اور دل کے لیے دل کی راہ تلاش کرنے کا اسلوب بتایا گیا ہے" (ص ۱۰۹-۱۱۰) "بچوں کی اسلامی تربیت کے لیے گھروں میں گول میز گفتگوئیں' اور گھریلو سیمینار قسم کی سرگرمی کی طرف توجہ" دلائی گئی ہے (ص ۱۱۰-۱۱۲) یوں عورت کی زندگی میں پیدا ہونے والے المیے کو افکار' قومی سیاست' خوش نما نعروں کو گھر کی سلطنت سے مربوط کرکے' انسانی حیات اجتماعی کو خوش رنگ بنانے کا راستہ دکھایا ہے۔ طبقاتی اور نفسیاتی فرق برپا کرنے والی اصطلاحات "گھریلو خاتون اور برسرروزگار خاتون" کو ایک مخصوص رجحان کا غماز قرار دیا ہے (ص ۱۰۰)

اپنی نوعیت کے اعتبار سے انگریزی میں یہ ایک منفرد کتاب ہے۔ جس کا انداز نہ تو جذباتی ہے' اور نہ جارحانہ یا سوقیانہ تنقید ہے۔ استدلال میں جاذبیت' اسلوب میں دلچسپی اور پیش کاری میں حسن و خوبی رچے بسے ہیں۔ ایجاز و اختصار کے اس پارہ تحقیق میں تعصب نام کو بھی نہیں۔ ہرچند کہ کتاب بھرپور ہے تاہم ان خوبیوں کے باوجود آیندہ ایڈیشن میں مندرجہ ذیل امور کو شامل کرنے پر غور کرلیا جائے تو بہتر ہوگا۔ مثال کے طور پر علامہ اقبال کی فکر کا حوالہ ملنا چاہیے تھا۔ اسی طرح اسلام کی روشنی میں روح عصر کے شناوروں یعنی سید مودودی' سید قطب شہید اور امین احسن اصلاحی کی فکر سے کما حقہ استفادہ میں بھی کمی ہے۔ اسلامی سوچ کے تقابلی مطالعے میں مریم جمیلہ' فاطمہ ہیرین' بنت الاسلام اور زینب الغزالی کے ہاں رہنمائی کے خطوط موجود ہیں۔ ایرانی انقلاب کے قائدین کے فکر و عمل سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ مزید یہ کہ قاہرہ اور بیجنگ کانفرنس سے پیدا شدہ صورتوں کی سیاسی جہت کو بھی زیر بحث لایا جائے۔ پھر "مسلم فیمی نسٹ" خواتین کے انداز فکر کی' تضادات اور حکمت عملی کی تنقیح بھی ضروری ہے۔ ان چند پہلوؤں پر توجہ کی ضرورت کے باوجود کتاب نے اپنے موضوع کو شافی جوابات کے ساتھ پیش کیا ہے۔

مصنفہ نے مکتبی انداز تحقیق اختیار کرنے کے بجائے 'تخلیقی اور اطلاقی تحقیق کا میدان چنا ہے۔ اپنی اس علمی کاوش میں وہ مغرب کی جارح فکر کے سامنے اذان بلالی بلند کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔

امریکہ و کینیڈا میں ماہ نامہ ترجمان القرآن و روزنامہ جسارت اور دیگر تحریکی رسائل حاصل کرنے کیلئے درج ذیل پتہ پر رابطہ قائم کیجیے۔

Islamic Education & Media

730 E 10St GF Brooklyn NY 11230 (718) 421 - 5428